ظل ہما احسن فاروقی ☆

علم مختلف الحدیث؛ ایک تحقیقی مطالعہ

علومِ حدیث کی اقسام و انواع بہت زیادہ ہیں۔ متقدمین میں سے حاکم نیشاپوریؒ نے معرفة علوم الحديث میں ۵۲، ابن صلاحؒ نے مقدمة ابن الصلاح، امام نوویؒ نے التقريب في أصول الحديث اور ابن ملقنؒ نے المقنع في علوم الحديث میں ۶۵ اور امام جلال الدین سیوطیؒ نے ۹۳ علومِ حدیث ذکر کیے ہیں۔

علامہ سیوطیؒ سے ان کی بابت منقول ہے:

"اعلم أن أنواع علوم الحديث كثيرة لا تُعدّ"[1]

''علومِ حدیث کی انواع بہت زیادہ ہیں، جن کو گنا نہیں جا سکتا۔''

حازمیؒ اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"علم الحديث يشمل على أنواع كثيرة تبلغ مائة، كل نوع منها علم مستقل، لو أنفق الطالب فيه عمره ما أدرك نهايته"[2]

''علم حدیث کی سو تک اقسام ہیں، ہر نوع ایک مستقل علم ہے اور اگر کوئی طالب علم اپنی پوری عمر ایک علم میں کھپا دے، تب بھی اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا۔''

انہی اَنواع میں سے ایک اہم نوع 'علم مختلف الحدیث' ہے۔ اس علم کا تعلق متن حدیث سے ہے۔ اس میں صرف ان اَحادیث کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے جو درجہ کے اعتبار سے مقبول ہوں اور جن میں تضاد اور تناقض کا پایا جانا صرف ظاہراً ہو، چنانچہ اَحادیث کے اس ظاہری تعارض کو رفع کرنے کے لیے اس علم کے مختلف اُصول وقواعد کو بروئے کار لاتے ہوئے باہم جمع وتطبیق سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر ناسخ ومنسوخ یا وجوہاتِ ترجیح کے

☆ ایم فل علومِ اسلامیہ [۲۰۰۶-۲۰۰۸ء]، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب لاہور

① تدریب الراوی شرح تقریب النواوی از السیوطی، ص: ۲۲ ② ایضاً

ذریعے ان کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے۔اُصولِ حدیث کی کتابوں میں اس علم کے لیے کچھ دوسرے نام بھی ملتے ہیں:مثلاً تلفیق الحدیث[۳]، اختلاف الحدیث[۴]، تاویل مختلف الحدیث[۵]، تأویل مشکل الحدیث[۶]، مناقضة الاحادیث وبیان محامل صحیحها[۷]، مشکل الحدیث[۸] اور تاویل الحدیث[۹] وغیرہ

لغوی مفہوم

لغت میں لفظ 'مختلف' اختلاف اور التخالف سے ماخوذ ہے جو اتفاق کی ضد ہے۔

فیروز آبادی لکھتے ہیں:"واختلف: ضدّ اتفق"[۱۰]

ابن منظور لکھتے ہیں:

"تخالف الأمران، واختلفا: لم يتفقا، وكل ما لم يتساو فقد تخالف واختلف"[۱۱]

''دو معاملے آپس میں ایک دوسرے کے ناموافق ہو گئے اور مختلف ہو گئے یعنی متفق نہ ہو سکے، اسی طرح ہر وہ چیز جو برابر نہ ہو، تو وہ مختلف ہوتی ہے۔''

اِصطلاحی مفہوم

اِصطلاح میں اس علم سے مراد دو ایسی مقبول احادیث ہیں جو بظاہر باہم متعارض ہوں، لیکن ان میں تطبیق ممکن ہو، چنانچہ ابنِ صلاحؒ لکھتے ہیں:

"أن يمكن الجمع بين الحديثين ولا يتعذر إبداء وجه ينفي تنافيهما، فيتعين حينئذ المصير إلى ذلك والقول بهما معًا"[۱۲]

''دو حدیثوں کے مابین جمع (یعنی تطبیق) ممکن ہو اور کسی ایسی وجہ کا ظاہر ہونا مشکل نہ ہو جو دونوں حدیثوں کی باہمی مخالفت کی نفی کر دے، تو ایسی صورت میں تطبیق دینا طے شدہ امر ہے اور فتویٰ ان دونوں پر مبنی ہوگا۔''

(۳،۹) مفتاح السنة،ص:۱۵۹،أبجد العلوم للقنوجي:۱۷۲/۲،أُصول الحديث علومه ومصطلحه از عجاج،ص:۲۸۳،الرسالة المستطرفة للكتاني،ص:۱۲۹

⑩ القاموس المحيط:۱۰۸۶/۲-۱۰۸۷ ⑪لسان العرب:۹۱/۹

⑫ مقدمہ ابن الصلاح،ص:۱۴۳

امام نوویؒ اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"أن ياتي حديثان متضادان في المعنى ظاهرًا، فيوفق بينهما أو يرجح أحدهما"[۱۳]

''ظاہری معنی کے اعتبار سے دو متعارض حدیثیں آ جاتی ہیں تو پھر ان دونوں کے درمیان تطبیق دی جاتی ہے یا دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے۔''

طیبیؒ، ابن ملقنؒ، محمد بن محمد علی فارسیؒ اور محمد بن علوی مالکی حسنیؒ نے بھی اس علم کی یہی تعریف کی ہے جب کہ قاضی محمد بن محمد شہبہؒ نے اس میں تھوڑا سا اِضافہ بھی کیا ہے۔[۱۴]

ابنِ حجرؒ اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فإن أمكن الجمع فهو مختلف الحديث"[۱۵]

''پس اگر (دو حدیثوں کا) جمع کرنا ممکن ہو تو وہ مختلف الحدیث ہے''۔

نواب صدیق حسن قنوجیؒ اس کی تعریف اور ایسی اَحادیث میں تطبیق کی وضاحت کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں:

"هو علم يبحث فيه عن التوفيق بين الأحاديث المتنافية ظاهرًا، إما بتخصص العام تارة أو بتقييد المطلق أخرٰى، أو بالحمل على تعدد الحادثة إلى غير ذلك من وجوه التاويل"[۱۶]

''یہ ایک ایسا علم ہے جس میں ظاہراً ایک دوسرے کے مخالف اَحادیث کے مابین تطبیق دینے کے بارے میں بحث کی جاتی ہے، کبھی عام کو خاص یا کبھی مطلق کو مقید کے ساتھ تطبیق دی جاتی ہے یا بسا اوقات کسی واقعہ کو کئی مرتبہ وقوع پذیر ہونے پر محمول کیا جاتا ہے یا پھر تاویل کی دیگر وجوہات میں سے کسی وجہ کے ذریعے تطبیق دی جاتی ہے۔''

عجاج خطیب اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

---

[۱۳] التقریب فن اصول الحدیث، ص:۲۳

[۱۴] الخلاصہ فی اصول الحدیث، ص:۵۹؛ المقنع فی علوم الحدیث:۲/۴۸۰؛ جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول، ص:۴۰؛ المنهل اللطيف في أصول الحديث الشريف، ص:۵۲

[۱۵] شرح نخبة الفكر، ص:۵۹

[۱۶] أبجد العلوم: ۲/۱۷

"هو العلم الذي يبحث في الأحاديث التي ظاهرها متعارض، فيزيل تعارضها أو يوفق بينها، كما يبحث في الأحاديث التي يشكل فهمها أو تصورها، فيدفع إشكالها ويوضح حقيقتها"[17]

''یہ وہ علم ہے جس میں بظاہر متعارض احادیث کے بارے میں بحث کی جاتی ہے، پس ان کے تعارض کو دور کیا جاتا ہے یا ان کے درمیان مطابقت پیدا کی جاتی ہے، علاوہ ازیں ان اَحادیث کے متعلق بحث کی جاتی ہے جن کا فہم وتصور مشکل ہوتا ہے پس یہ علم ان کے اشکال کو دور اور ان کی حقیقت واضح کرتا ہے۔''

عصر حاضر میں علوم الحدیث پر لکھنے والے معروف ڈاکٹر محمود طحان مختلف الحدیث کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

"هو الحديث المقبول المعارض بمثله مع إمكان الجمع بينهما أي هو الحديث الصحيح أو الحسن الذى يجيء حديث آخر مثله في المرتبة والقوة ويناقضه في المعنىٰ ظاهرًا، ويمكن لأولي العلم والفهم ثاقب أن يجمعوا بين مدلوليهما بشكل مقبول"[18]

''ایسی مقبول حدیث جو اپنے جیسی کسی دوسری حدیث سے متعارض ہو، لیکن ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہو۔ یعنی وہ کوئی ایسی حدیث صحیح یا حسن ہو جو اپنے ہم مرتبہ کسی دوسری حدیث سے معنوی طور پر بظاہر متعارض نظر آتی ہو اور اہل علم وفہم کے لیے ممکن ہو کہ وہ دونوں کے مفاہیم میں ایسی صورت میں یکسانیت پیدا کریں جو قابل قبول ہو۔''

ظاہر تعارض کی وضاحت

اِن تمام تعریفات میں اَحادیث کے باہمی تعارض کو ظاہر کے ساتھ اس لیے مشروط کیا گیا ہے کہ سنتِ نبویؐ میں حقیقی تعارض محال ہے، جیسا کہ ابوبکر باقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وكل خبرين عُلِم أن النبي تكلّم بهما فلا يصح دخول التعارض فيهما على وجه، وإن كان ظاهرهما متعارضين"

''ہر وہ دو خبریں، جن کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ نبیؐ نے ان کو بیان فرمایا ہے تو ان میں کسی

---

[17] اُصول الحدیث، ص:۲۸۳ [18] تیسیر مصطلح الحدیث، ص:۵۵

صورت میں بھی تعارض نہیں ہوسکتا، اگرچہ ظاہراً وہ متعارض نظر آ رہی ہوں۔''

مزید فرماتے ہیں:

"متى عُلِم أن قولين ظاهرهما التعارض ونفي أحدهما لموجب الآخر أن يحمل النفي والإثبات على أنهما في زمانين أو فريقين أو على شخصين، أو على صفتين مختلفين هذا ما لابد منه مع العلم بإحالة مناقضته عليه السلام في شيء من تقرير الشرع والبلاغ"[19]

''جب یہ معلوم ہو جائے کہ دو قول جو کہ ظاہراً متعارض ہیں اور ان (دونوں) میں سے ایک کی نفی دوسرے کے وجود کو لازم ہے تو نفی اور اثبات کو اس طرح محمول کیا جائے گا کہ وہ دو (مختلف) زمانوں یا گروہوں یا دو شخصیات یا دو (الگ الگ) صفتوں کے بارے میں ہے اور اس کے ساتھ لازمی طور پر یہ علم ہونا ضروری ہے کہ شریعت و ابلاغ کی تشریح میں رسول اللہ ﷺ کی کسی بات میں تناقض کا پایا جانا محال ہے۔''

اسی طرح ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں:

"لا أعرف أنه روي عن النبي ﷺ حديثان بإسنادين صحيحين متضادان، فمن كان عنده فليأتني لأؤلف بينهما"[20]

''میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ سے دو اَحادیث صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں (اور وہ) متضاد ہوں، جس کے پاس ہوں تو وہ میرے پاس لائے، میں ان کے درمیان تطبیق دیتا ہوں۔''

شرائط مختلف الحدیث

بیان کردہ تمام تعریفوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کوئی حدیث اس وقت تک علوم حدیث کی اس قسم میں شمار نہیں کی جائے گی جب تک اس میں درج ذیل چار شرائط نہ پائی جائیں:

① حدیث مقبول ہو۔

② جس حدیث سے اختلاف ہے وہ دوسری حدیث ہو جو پہلی حدیث کے ساتھ ظاہراً متعارض ہو۔ ایسی اَحادیث اور آثار کو 'مختلف الحدیث' میں شمار نہ کیا جائے گا جن کا پہلا حصہ دوسری

---

⑲ الكفاية في علم الرواية، ص:۴۳۳

⑳ مقدمہ ابن الصلاح، ص:۱۴۳؛ الکفایہ، ص:۴۳۳، توجيه النظر إلى أصول الأثر، ص:۲۲۴

حدیث کے آخری حصہ سے یا آخری حصہ پہلے حصے سے متعارض ہو۔اس قسم کی اَحادیث کو 'مشکل الحدیث' میں شمار کیا جاتا ہے۔

③ متعارض حدیث قابلِ احتجاج ہو اگرچہ وہ رتبہ میں (صحیح اور حسن کے لحاظ سے) اپنے معارض کے برابر نہ بھی ہو۔

④ دو متضاد احادیث میں جمع وتطبیق ممکن ہو۔[۲۱]

مختلف الحدیث کی اَقسام اور ان کے اَحکام

اس کی دو قسمیں ہیں:

قسم اوّل اور اس کا حکم: ایسی دو متعارض اَحادیث جن کے مابین تطبیق ممکن ہو۔ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے مابین تطبیق واجب ہے اور عمل ان دونوں پر کیا جائے گا۔

قسم ثانی اور اس کا حکم: وہ متعارض احادیث جن کے مابین جمع وتطبیق ناممکن نظر آ رہی ہو تو اس سے متعلقہ احکام یہ ہیں:

① جب دو متعارض احادیث میں جمع وتطبیق ناممکن ہو، لیکن یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک حدیث ناسخ ہے اور دوسری منسوخ تو منسوخ کو ترک کر کے ناسخ پر عمل کیا جائے گا۔

② اگر ناسخ ومنسوخ کا علم نہ ہو تو پھر ان متعارض احادیث کے مابین ترجیح کو اختیار کیا جائے گا۔

③ اگر وجہ ترجیح ظاہر نہ ہو تو ایسی صورت میں دونوں پر عمل کرنے سے توقف کیا جائے گا جب تک کسی ایک کے لیے وجہ ترجیح ظاہر نہ ہو جائے۔[۲۲]

اہمیت

اس علم پر دسترس اور مکمل عبور کے بغیر مختلف اَحادیث کا مفہوم سمجھنا، متعین کرنا اور اس کی حکمتوں سے آگاہ ہونا انتہائی دشوار ہے اور کوئی بھی عالم وفقیہ صرف حدیث حفظ کر کے اور اس کے تمام طرق جمع کر کے 'محدث' نہیں کہلا سکتا جب تک کہ اسے اس علم کا اِدراک نہ ہو۔ چنانچہ

---

[۲۱] مختلف الحديث بين المحدّثين والاصوليين الفقهاء،ص:۲۶۔۲۷

[۲۲] مقدمہ ابن الصلاح، ص:۱۴۳؛ التقریب، ص:۲۳؛تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي،ص:۲۷۵۔۲۷۶؛المقنع فی علوم الحدیث:۴۸۱/۲۔۴۸۲

امام نوویؒ اس علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا من أهم الأنواع، ويضطر إلى معرفته جميع العلماء من الطوائف، ..... وإنما يكمل له الأئمة الجامعون بين الحديث والفقه، الأصوليون والغواصون على المعاني"[۲۳]

''یہ اہم ترین انواع میں سے ہے۔ ہر گروہ کے تمام علماء اس کی معرفت کے حصول میں مجبور ہیں ..... اور اس (علم) کو صرف (وہی) ائمہ مکمل کر سکتے ہیں جو حدیث اور فقہ کے جامع ہوں، اُصولی اور معانی کی تہہ تک پہنچنے والے ہوں۔''

محمد محمد ابوزہو اس علم کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كل عالم بل كل مسلم يحتاج للوقوف عليه فإن بمعرفته يندفع التناقض عن كلام النبي ﷺ ويطمئن المكلف إلى أحكام الشرع"[۲۴]

''ہر عالم بلکہ ہر مسلمان اس علم سے واقفیت کا محتاج ہے، کیونکہ اس علم کی معرفت سے ہی نبیؐ کے کلام سے تناقض اور تعارض دور ہوتا ہے اور مکلّف شریعت کے اَحکام پر شرع کے بارے میں مطمئن ہو جاتا ہے۔''

عجاج خطیب نے اس کی اہمیت پر جامع انداز میں کلام فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"هذا العلم من أهم علوم الحديث يحتاج إليه المحدثون والفقهاء وغيرهم من العلماء ولا بد للمشتغل به من فهم ثاقب وعلم واسع، ودربة ودراية ..... وهذا العلم ثمرة من ثمار حفظ الحديث، وضبطه وفهمه فهمًا جديدًا ومعرفة عامه وخاصه ومطلقه ومقيده، وغير ذلك من أمور الدراية والخبرة، إذ لا يكفي للمرء أن يحفظ الحديث ويجمع طرقه ويضبط ألفاظه من غير أن يفهمه ويعرف حكمه"[۲۵]

''یہ علم، علوم حدیث میں سے اہم ترین ہے۔ محدثین، فقہا اور دیگر علما اس کے محتاج ہیں۔ اس فن سے منسلک آدمی کے لیے روشن فہم، وسیع علم، مہارت اور گہرا علم ضروری ہے..... اور یہ علم حفظِ حدیث کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے اور اس کا ضبط اور اچھا فہم اس کے عام، خاص،

---

[۲۳] التقريب، ص:۲۳ [۲۴] الحديث والمحدثون، ص:۴۷۱

[۲۵] اُصول الحدیث، ص:۲۸۳۔۲۸۴

مطلق اور مقید کی معرفت وغیرہ درایت اور مہارت کے اُمور میں سے ہیں۔ پھر آدمی کے لیے یہی کافی نہیں کہ وہ اس علم کے فہم اور حکم کی معرفت کے بغیر صرف حدیث حفظ کرے، اس کے طرق جمع کرے اور اس کے الفاظ ضبط کرے۔''

آغاز و اِرتقا

اس علم کا آغاز عہد صحابہ سے ہی ہو گیا تھا، لیکن دوسرے علوم کی طرح اس عہد میں اس کے قواعد وضوابط متعین کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، البتہ علما نے بہت سارے اَحکام میں اجتہاد کیا، بظاہر باہم متعارض اَحادیث میں تطبیق دی اور ان کے مفاہیم کو واضح کیا۔ چنانچہ عجاج خطیب لکھتے ہیں:

"وقد اهتم علماء الأمة بعلم مختلف الحديث ومشكله منذ عصر الصحابة، الذين أصبحوا مرجع الأمة في جميع أمورها بعد وفاة الرسول فاجتهدوا في كثير من الأحكام، وجمعوا بين كثير من الأحاديث ووضحوها، وبيّنوا المراد منها، وتتالى العلماء جيلاً بعد جيلٍ، يوفقون بين الأحاديث التي ظاهرها التعارض ويزيلون اشكال ما يشكل منها"[۳۶]

''علماے اُمت نے علم مختلف الحدیث پر صحابہؓ کے دور ہی سے توجہ مرکوز کر دی تھی، حضوؐر کی وفات کے بعد وہ تمام اُمور میں اُمت کے مرجع الخلائق تھے۔ پس اُنہوں نے بہت سارے اَحکامات میں اجتہاد کیا، بہت ساری اَحادیث اکٹھی کیں، ان کی وضاحت کی، ان کے مفاہیم بیان کیے، ایک نسل کے بعد دوسری نسل کے علما پے در پے آئے، وہ باہم متعارض اَحادیث میں موافقت پیدا کرتے رہے اور ان کے اشکالات کو زائل کرتے رہے۔''

آغاز میں اس علم پر علیحدہ کتب لکھنے کا رواج نہیں تھا بلکہ علومِ حدیث کی کتب میں ہی اسے بیان کر دیا جاتا تھا جیسے امام حاکم نیشاپوریؒ نے معرفة علوم الحديث اور خطیب بغدادیؒ نے الكفاية في علم الرواية میں اس فن کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ اُنہوں نے اس کا وہ اصطلاحی نام ذکر نہیں کیا جو بعد میں مشہور ہوا۔ ان کے بعد ابن صلاحؒ نے اپنی معروف

---

[۳۶] اُصول الحدیث، ص: ۲۸۳۔۲۸۴

کتاب علوم الحدیث، المعروف بہ مقدمة ابن الصلاح میں اس علم کو علوم حدیث کی انواع میں سے ایک نوع قرار دیتے ہوئے اجمالی طور پر اس کے قواعد وضوابط بیان کیے۔ اسی طرح ابوزکریا یحییٰ بن شرف نوویؒ نے التقریب التیسیر میں، ابن کثیرؒ نے اختصار علوم الحدیث میں، ابن حجر عسقلانیؒ نے نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر میں اور ان کے بعد آنے والے علماے حدیث نے اپنی اپنی تصانیف میں اس فن کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ بعد ازاں علما نے اس فن میں مستقل تصانیف مرتب کیں۔ ان میں سے بعض نے اپنی کتب میں تمام مختلف اَحادیث کو جمع کیا اور بعض نے اپنی تصانیف کو ان اَحادیث کی تطبیق تک محدود رکھا اور ان کے اِشکالات کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مراد و مفاہیم کی بھی وضاحت کی۔ اس فن کے حوالے سے جو مستقل کتب لکھی گئیں، وہ درج ذیل ہیں:

① اختلاف الحدیث از محمد بن ادریس الشافعی (۲۰۴ھ)

② تاویل مختلف الحدیث از ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (۲۷۶ھ)

③ کتاب ابن خزیمہ از ابن خزیمہ (۳۱۱ھ)

④ مشکل الآثار از ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ طحاوی (۳۲۱ھ)

⑤ شرح معانی الآثار، ایضاً

⑥ مشکل الحدیث وبیانه ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک (۴۰۶ھ)

⑦ التحقیق في أحادیث الخلاف

ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن ابی الحسن بن علی بن محمد بن علی (۵۹۷ھ)[۲۴]

علم مختلف الحدیث کی مثال اور تطبیق کے طریقوں کی وضاحت

کتبِ اَحادیث میں توہم پرستی کے حوالے سے کچھ صحیح اَحادیث ملتی ہیں جنہیں دیگر احادیث سے مختلف ہونے کی بنا پر اس علم کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً

---

[۲۴] مقدمہ ابن الصلاح، ص:۱۴۳؛ التقریب، ص:۲۳؛ شرح نخبۃ الفکر، ص:۶۵؛ الرسالة المستطرفه، ص:۱۳۰، توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار:۲/۴۲۶؛ اصول الحدیث: ص۲۸۴۔۲۸۶

"لا عدوٰی ولا طیرة ولاهامة ولاصفر"[۲۸]

''کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی اور نہ ہی بدشگونی کوئی چیز ہے۔''

"فرّ من المجزوم کما تفر من الأسد"[۲۹]

''کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔''

"لا یوردن ممرض علی مصح"[۳۰]

''بیمار اونٹ تندرست کے قریب نہ لایا جائے۔''

ان اَحادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے یعنی ایک طرف تو حضور ﷺ بدشگونی اور توہم پرستی کی نفی فرما رہے ہیں کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی اور دوسری طرف اس کے برعکس بات بیان کی گئی ہے جس سے نہ صرف بیماری کے متعدی ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ شگون لینا بھی درست معلوم ہوتا ہے۔اس صورتِ حال میں علماے حدیث بظاہر ان متضاد البیان اَحادیث کو اس علم کے ذریعہ سے مختلف طریقوں کے ساتھ تطبیق دیتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

ابن صلاحؒ کی تطبیق: مندرجہ بالا اَحادیث میں تطبیق کے حوالے سے ابن صلاحؒ نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ آنحضورؐ کا بیماری کو متعدی بتانا اس لیے نہیں کہ متعدی ہونا اس بیماری کی کوئی ذاتی صفت ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک فرد سے دوسرے فرد تک بیماری کے منتقل ہونے کا ایک قوی سبب مخالطت ہے جو کبھی واقع ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔لہٰذا اس سبب سے بچنے کے لیے آپؐ نے کوڑھی سے بھاگنے کا حکم دیا اور یہ اَسباب اللہ ہی کی مشیت ہیں تو گویا بیمار شخص یا اس کی بیماری فاعل حقیقی نہ ہوئے اور جہاں تک آپؐ کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی اور نہ ہی بدشگونی کوئی چیز ہے تو یہ ایک اُصولی بات ہے جو براہِ راست عقیدۂ توحید سے متعلق ہے یعنی اس میں بھی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ فاعل حقیقی اور متصرف فی العالم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ابن صلاحؒ رقم طراز ہیں:

"أن هذه الأمراض لا تعدي بطبعها ولكن الله تبارك وتعالى جعل

---

[۲۸] صحیح بخاری:۵۷۵۷،صحیح مسلم:۲۲۲۰،۲۲۲۲

[۲۹] صحیح بخاری:۵۷۰۷ [۳۰] صحیح بخاری:۵۷۷۱

مخالطة المريض بها للصحيح سببًا لأعدائه مرضه ثم قد يتخلف ذلك عن سببه كما في سائر الأسباب ففي الحديث الأول نفٰى ﷺ ما كان يعتقده الجاهل من أن ذلك يعدي بطبعه ولهذا قال: «فمن أعدٰى الأول؟» وفي الثاني اعلم بأن الله سبحانه جعل ذلك سببًا لذلك وحذر من الضرر الذي يغلب وجوده عند وجوده بفعل الله سبحانه وتعالىٰ"[۳۱]

ابن حجرؒ کا موقف اور تطبیق: ابن حجرؒ نے آپؐ کے کسی بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کو مطلق اور عموم کے زمرے میں بیان کیا ہے اور کسی سبب کے باعث اس کے متعدی ہونے کی نفی بھی کی ہے اور اپنے موقف کی تقویت کے لیے انہوں نے آپؐ کے فرمان کہ "فمن أعدى الأوّل؟" کو بھی دلیل بنایا ہے یعنی آپؐ نے اس شخص کو یہ فرمایا جس نے آپؐ کے سامنے دوسرے اونٹ کے خارش زدہ ہونے کا ذکر کیا تھا، گویا آپؐ کے نزدیک کوئی بیماری متعدی نہیں ہوسکتی۔ جہاں تک مجذوم سے بھاگنے کے متعلق آپؐ کے فرمان کا تعلق ہے تو ابن حجرؒ نے اس بیان کو دو طرح سے احتیاط پر مبنی بتایا ہے۔ ایک یہ ہے کہ کوئی شخص بیماری کے متعدی ہونے کے عقیدہ کو اختیار نہ کرے اور دوسرا یہ کہ اس بداعتقادگی سے لوگوں میں تنگی اور حرج پیدا نہ ہو کہ وہ ایک دوسرے سے دور بھاگنے لگیں تو اسی سبب سے آپؐ نے جذامی سے دور رہنے کا حکم دیا۔

ابن حجرؒ کی رائے ملاحظہ ہو:

"أن نفيه ﷺ للعدوٰى باق على عمومه، وقد صح قوله ﷺ «لا يعدي شيء شيئًا» وقوله ﷺ لمن عارضه بأن البعير الأجرب يكون في الإبل الصحيحة فيخالطها فتجرب حيث رد عليه بقوله «فمن أعدى الاوّل» يعنى أن الله سبحانه وتعالى ابتدأ ذلك في الثاني كما ابتدأه في الأول وأما الأمر بالفرار من المجذوم فمن باب سدّ الذرائع، لئلا يتفق للشخص الذي يخالطه شيء من ذلك بتقدير الله تعالىٰ ابتداء لا بالعدوٰى المنفية، فيظن أن ذلك بسبب مخالطته فيعتقد صحة العدوىٰ فيقع فى الحرج، فأمر بتجنبه حسمًا للمادة.. والله أعلم"[۳۲]

---

[۳۱] مقدمہ ابن الصلاح، ص: ۱۴۳ [۳۲] شرح نخبة الفكر، ص: ۵۹-۶۰

ابوبکر باقلانیؒ اور ابن بطالؒ کا مؤقف: ابوبکر باقلانیؒ نے تطبیق میں استثنائی صورت اختیار کرتے ہوئے جذام اور اس جیسے دیگر امراض کو آپؐ کے ارشاد «لا عدوٰی» کے تحت شمار نہیں کیا بلکہ اس کو آپؐ کی طرف سے نفی کی ایک عام صورت قرار دیا ہے۔ ابوبکر باقلانیؒ رقمطراز ہیں:

"إن إثبات العدوٰى في الجذام ونحوه مخصوص من عموم نفي العدوى فيكون معنى قوله (لا عدوٰى) أى إلا من الجذام ونحوه، فكأنه قال لا يعدي شيءٌ إلا فيما تقدم تبنى له أنه يعدي"[۳۳]

ابن بطالؒ کا بھی یہی مؤقف ہے۔[۳۴]

ضعیف موقف

تطبیق کے حوالے سے ایک مؤقف یہ بھی ہے کہ آپؐ کا مجذوم سے فاصلہ پر رہنے کا ارشاد دراصل اسے احساسِ مرض اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے ہے۔اس ضمن میں آپؐ کے ایک دوسرے ارشاد: «لا تديموا النظر المجذومين»[۳۵] کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے:

"أن الامر بالفرار رعاية لخاطر المجذوم لأنه إذا رأى الصحيح تعظم مصيبته وتزداد حسرته، ويؤيده حديث «لا تديموا النظر إلى المجذومين» فإنه محمول على هذا المعنىٰ"[۳۶]

لیکن یہ موقف ضعیف ہے، کیونکہ ہمیشہ تندرست انسان کی مصلحت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جیسا کہ احمد محمد شاکر اس موقف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وأضعفها المسلك الرابع كما هو ظاهر، لأن الأمر بالفرار ظاهر في تنفير الصحيح من القرب من المجذوم۔ فهو ينظر بمصلحة الصحيح أولاً، مع قوة التشبيه بالفرار من الأسد؛ لأنه لا يفر الانسان من الأسد

---

[۳۳] الباعث الحثيث،ص:۱۶۷،ألفية السيوطى في علم الحديث،ص:۱۸۰

[۳۴] فتح الباری:۳۰۹/۱۱ [۳۵] سنن ابن ماجہ:۳۵۴۳

[۳۶] الفية السيوطى،ص:۱۸۰،الباعث الحثيث،ص:۱۶۷، فتح الباری:۳۰۹/۱۱

رعاية لخاطر الاسد أيضًا"[۴۷]

احمد شاکر کی رائے

احمد شاکر نے ابن صلاحؒ کے موقف کو قوی ترین قرار دیا ہے۔ان کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

"أقواها عندي المسلك الأول الذي اختاره ابن الصلاح، لأنه قد ثبت من العلوم الطبية الحديثة أن الأمراض المعدية تنتقل بواسطة المكروبات، ويحملها الهواء أو البصاق أو غير ذلك، على اختلاف أنواعها، وأن تأثيرها في الصحيح إنما يكون تبعًا لقوته وضعفه بالنسبة لكل نوع من الأنواع، وإن كثيرًا من الناس لديهم وقاية خلقية تمنع قبولهم لبعض الأمراض المعينة، ويختلف ذلك باختلاف الأشخاص والأحوال فاختلاط الصحيح بالمريض سبب لنقل المرض، وقد يتخلف هذا السبب كما قال ابن الصلاح رحمه الله"[۴۸]

''میرے نزدیک قوی ترین مسلک اوّل ہے جسے ابن صلاحؒ نے اختیار کیا ہے اس لیے کہ جدید سائنسی علوم سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ متعدی بیماریاں چھوٹے ذرات کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں اور ان ذرات کو ہوا، تھوک اور اس طرح کی دوسری چیزیں منتقل کرتی ہیں۔ان ذروں کے مختلف ہونے کے سبب بیماریاں مختلف تاثیر رکھتی ہیں اور تندرست آدمی میں ان بیماریوں کی تاثیر ان کی قوت وضعف کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ بیماری کی تمام اقسام میں یہ بات ملحوظ ہوتی ہے اور یقیناً بہت سارے لوگوں میں طبعی طور پر بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت موجود ہوتی ہے جو نفس کو بعض معین بیماریوں کے اثرات قبول کرنے سے روکتی ہے یہ لوگوں اور حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، پس تندرست آدمی کا مریض کے ساتھ اختلاط مرض کے منتقل ہونے کا سبب بنتا ہے اور بعض اوقات اختلاط مرض کے منتقل ہونے کا سبب نہیں بھی بنتا اور یہی ابن صلاحؒ کا موقف ہے۔''

---

[۴۷] الفية السيوطی، ص:۱۸۰

[۴۸] الباعث الحثيث، ص:۱۶۷